© rasailojaraid.com

سید محمد طلحہ گیلانی، کراچی

بخاری کی تصویر گم ہو گئی

میں حافظ جی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات پر تعزیت کیلئے ابن امیر شریعت حضرت سید عطاء المحسن بخاری کی خدمت میں ملتان حاضر ہوا تو انہوں نے حافظ جی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق یادداشتیں تحریر کرنے کا حکم دیا۔ یہ اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔

کوئی پانچ چھے برس کا سن ہو گا جب میں نے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی باتیں اپنے والد مرحوم سے بڑے اہتمام و انصرام سے سننا شروع کیں۔ کوئی بات ایسی نہ ہوتی جس میں شاہ جی کے اقوال و اعمال کا تذکرہ نہ ہوتا۔ میرے والدِ مرحوم کو شاہ جی سے انتہائی قلبی لگاؤ تھا۔ ایک دفعہ فرمانے لگے کہ موت کی تمنا جائز نہیں لیکن کبھی کبھی میرے دل میں موت کی خواہش اس لئے پیدا ہوتی ہے تاکہ میں مرنے کے بعد دو شخصیتوں سے ملاقات کر سکوں۔ اولاً شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ اور ثانیاً انکی بڑی بہن (میری پھوپھی) جو جوانی ہی میں انتقال کر گئیں تھیں۔

میرے والد مرحوم نے شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کے ہزاوں واقعات و ارشادات ہمیں اتنی بار سنائے کہ ازبر ہو گئے۔ میرے والد سراپا احراری تھے۔ وہ کسی بھی مسئلہ کو احراری نقطۂ نظر سے دیکھتے تھے۔ اس ماحول میں ہم بھنوں بھائیوں نے پرورش پائی اور ان دیکھے شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ سے والہانہ محبت و عقیدت رکھتے تھے۔

بہت چھوٹی عمر ہونے کی وجہ سے قرابت داری کے باوجود شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات نہ ہو پائی۔ ایک دفعہ شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ لاہور تقریر کیلئے تشریف لائے تو والد ماجد مجھے اپنے ساتھ جلسہ گاہ لے کر گئے۔ جلسہ گاہ میں لاکھوں افراد جمع تھے۔ شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت بھی ناساز تھی۔ مجھے یاد ہے کہ انہوں نے تقریر بیٹھ کر فرمائی تھی۔ والد محترم کو ہجوم کی زیادتی کی وجہ سے نہ خود ان سے ملنے کا موقعہ ملا اور نہ ہی وہ مجھے ان سے ملا سکے۔ یونہی دن گزر گئے اور ایک روز علی الصبح والد مرحوم کی چیخوں کی آواز آئی تو ہم سب گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں چھت پر تھا۔ نیچے پہنچا تو روزنامہ "نوائے پاکستان" میں شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کی سرخی لگی ہوئی تھی۔ میں نے بعد میں کسی کی موت پر بھی اپنے والد کو ایسے بلکتے ہوئے نہیں دیکھا جیسے شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات پر۔ اس کے بعد بات بات پر شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے دینا، انکی نشست و برخاست کے بارے میں بتانا، ان کے ارشادات و اقوال دہرانا، انکی قرأت و تقاریر کی نقشہ کشی کرنا میرے والد کا معمول بن گیا تھا۔

شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ بعض اوقات میرے دادا مرحوم سے ملاقات کیلئے تشریف لاتے اور ان کی سب اولاد کو اپنے بچوں کی طرح ہی تصور کرتے۔ ہمارا خاندان بھی ان سے اتنی ہی والہانہ محبت کرتا تھا۔ جتنی وہ ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے شفقت فرماتے تھے۔

میرے والد نے مجھے سنایا کہ ایک دفعہ شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ شدید علیل ہو گئے۔ اخبارات نے انکی علالت کی خبریں جلی سرخیوں کے ساتھ شائع کیں۔ امرتسر اور دور دراز کے علاقوں سے لوگ ان کی عیادت کو آئے۔ میرے والد کہتے تھے کہ میں کسی ناگزیر وجہ کی بناء پر عیادت کو نہ جاسکا۔ کچھ دن گزرنے کے بعد شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ صحت یاب ہونے کے بعد ایک روز معاً میری دکان پر دہلی دروازہ لاہور تشریف لے آئے۔ فرمانے لگے ساری دنیا میرے عیادت کو آئی مگر تم نہیں آئے۔ ابا جی کہتے ہیں کہ میں اتنا گھبرا گیا کہ کوئی جواز میری سمجھ میں نہیں آیا صرف یہی کہتے بنی کہ شاہ جی کیا خدانخواستہ آپ علیل تھے؟ شاہ جی نے میرے اس استفسار پر فارسی کا ایک شعر پڑھا اور سلام کر کے رخصت ہو گئے۔ فارسی شعر کا مفہوم کچھ یوں تھا۔

"اگر تم خبر دار ہو تو ساری دنیا کی خبر رکھو
اگر تم بے خبر ہو تو اپنی ذات سے بھی بے خبر ہو جاؤ"

شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی کے بارے میں والد مرحوم سے ملی ہوئی معلومات ہی کم نہ تھیں لیکن ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کے تجسس نے بہت سارے نامور ادباء و شعراء کی تحریریں، مضامین اور کتابیں پڑھنے کا موقعہ فراہم کیا۔ دریں اثناء ۱۹۷۰ء کا زمانہ آ گیا تب مجلس احرار اسلام جانشین امیر شریعت حضرت سید ابوذر بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی قیادت میں سرگرم عمل تھی۔ دہلی دروازہ لاہور میں سہ روزہ احرار کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ جس میں ملک کے نامور سیاست دان اور خطیبوں نے خطاب کیا۔ مجھے بھی شوق کشاں کشاں جلسہ گاہ کی طرف لے گیا۔

میں نے تب پہلی بار جانشین امیر شریعت کو دور سے دیکھا، ان کی شخصیت میں بڑی جاذبیت، کشش، محبت اور اپنائیت تھی۔

دوسرے روز صبح ہی میں جلسہ گاہ گیا اور پورا دن وہیں گزارا۔ تیسرے روز جانشین امیر شریعت کی اختتامی تقریر تھی۔ انکی تقریر نے میرے اوپر جادو کا کام کیا۔ میں ان سے مصافحہ کرنے کے اشتیاق میں جلسہ گاہ سے ہجوم کے ساتھ ساتھ دفتر مجلس احرار اسلام تک گیا لیکن مجھے موقعہ نہ ملا۔ نتیجتاً مجھے ان کے ساتھ دفتر تک جانا پڑا۔ دفتر میں بھی لوگ بہت بڑی تعداد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی اثناء میں ہمارے ایک عزیز نے حافظ جی رحمتہ اللہ علیہ کو مخاطب کرتے ہوئے میری طرف اشارہ کر کے کہا: آپ اس کو جانتے ہیں؟ حافظ جی نے نفی میں سر ہلایا تو میرے اس عزیز نے تعارف کراتے ہوئے کہا کہ یہ سید امین گیلانی کا بھتیجا اور سید علاؤ الدین گیلانی کا بیٹا ہے۔ بس پھر کیا تھا۔ حافظ جی رحمتہ اللہ علیہ کی محبت و شفقت کا وہ لمحہ میرے لئے یادگار بن گیا۔ انہوں نے مجھے اپنے ساتھ بٹھایا، میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمانے لگے: تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارا کون ہوں؟ پھر خود ہی فرمایا کہ میں تمہارا چچا ہوں اور تم بیگانوں کی طرح اتنی دور بیٹھے ہوئے تھے۔ اس دن سے حافظ جی رحمتہ اللہ علیہ اور میرے درمیان قرابت داری کے علاوہ محبت کا ایک ایسا رشتہ قائم ہوا جو بحمداللہ آج بھی اسی شدت سے قائم ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں نے ہزاروں میل کا سفر حافظ جی رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ کیا اور انکی مجلسی زندگی کے وہ انوار سمیٹے جس کی حرارت تادم واپسیں قائم رہے گی۔ ان شاء اللہ

جس زمانے میں ہم لوگ ملک کے دور افتادہ علاقوں میں جلسہ اور جلوسوں میں جا رہے تھے۔ اسی زمانہ کی بات ہے کہ حافظ جی رحمتہ اللہ علیہ اور میں راولپنڈی لیاقت باغ کے جلسہ سے فارغ ہو کر قیام گاہ پر آئے تو میں نے ازراہ تفنن کہا کہ حافظ جی اتنے لمبے لمبے سفر کر کے ہم لوگ تھک گئے ہیں۔ اگر آپ برا نہ مانیں تو میں ایک تجویز پیش کروں اس سے ہمیں مالی منفعت کے علاوہ شہرت بھی بہت ملے گی۔ فرمانے لگے کیا؟ میں نے عرض کیا شہر شہر گلی گلی بھٹکنے سے بہتر ہے کہ امریکی قونصل خانے چلتے ہیں ہمیں بس تھوڑا سا کام کرنا ہو گا۔ باقی سارا انتظام وہ کر دیں گے۔ حافظ جی میری اس بات پر کھکھلا کر ہنس پڑے اور کہنے لگے۔ میرے پاس اس سے بھی بہتر تجویز ہے۔ میں نے عرض کیا فرمایئے۔ فرمایا میں اپنے ابا کی قبر ٹھیک کرالوں اور وہاں مجاور بن کر بیٹھ جاؤں۔ تم جانتے ہو برصغیر ہند و پاک میں میرے باپ کے لاکھوں مرید ہیں وہ میری مالی تنگی بھی دور کر دینگے اور شہرت بھی بہت نصیب ہو گی۔ پھر کسی کی منت بھی نہیں کرنا پڑے گی۔ وہ بھی سفید چمڑی والوں کی خاص طور پر۔ تم جانتے ہو میں اصول کا آدمی ہوں، مجھے یہ سب پریشانیاں قبول ہیں لیکن، ضمیر کا سودا قبول نہیں۔

بہت دفعہ ایسا ہوتا تھا کہ حافظ جی رحمتہ اللہ علیہ موضوعاتی جلسوں پر تشریف لے جاتے۔ وہ اپنے موضوع پر بڑی مدلل تقریر فرماتے۔ بڑے بڑے نامور خطیبوں کو انکی تقریر کے سامنے ہم نے بے بس دیکھا ہے۔ ایک دفعہ لاہور کے ایک بہت بڑے عالم، حافظ جی کے پاس دفتر مجلس احرار اسلام میں ملنے کیلئے آئے۔ دوران ملاقات انہوں نے حافظ جی کو ایک جلسہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں خطاب کی دعوت دی۔ حافظ جی، مولانا کی دعوت قبول کرنے کے حق میں نہیں تھے مگر عشاق کے اصرار پر طوعاً کرہاً اس دعوت کو قبول کر لیا۔ جلسہ کی رات ہم لوگ دفتر سے جلسہ گاہ کی طرف حافظ جی کے ساتھ ہو لیئے۔ ہم کوئی ستر اسی کے قریب افراد ہونگے۔ حافظ جی کا شک درست تھا۔ جب ہم جلسہ گاہ پہنچے تو پتہ چلا کہ جلسہ محکمہ اوقاف کی طرف سے ہے اور صدارت کی کرسی پر معروف رافضی سید اظہر حسن زیدی براجمان تھا۔ جب کہ سٹیج پر مظفر علی شمسی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ جن مولانا نے حافظ جی کو جلسہ کی دعوت دی تھی وہ سرکاری مولوی تھے۔ بعد میں انہوں نے لاہور کی سب سے بڑی سرکاری مسجد کی امامت سنبھالی اور سرکاری مولوی کی حیثیت سے بڑا نام کمایا۔ صورت حال پریشان کن تھی۔ خدشہ پیدا ہوا کہ ذرا سی بے احتیاطی سے خون خرابہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ہم احرار اراکین سارے جلسے میں پھیل گئے جب حافظ جی سٹیج پر تشریف لائے تو احرار اراکین نے چاروں طرف سے نعروں کی بھرمار کر دی۔ احرار اپنے مخصوص نعروں کی وجہ سے خوب پہچانے جاتے ہیں۔ حافظ جی نے خطبہ مسنونہ شروع کیا۔ ہر آدمی انکی خوش الحانی پر قربان ہو رہا تھا۔ خطبہ مسنونہ کے بعد حافظ جی نے موضوع جلسہ تبدیل کر دیا اور وقت کی نزاکتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم پر اتنی مدلل تقریر فرمائی کہ اظہر حسن زیدی جیسا آدمی تقریر کے خاتمہ پر حافظ جی کے گھٹنوں کو ہاتھ لگا رہا تھا۔ میں نے زیدی صاحب کو خود کہتے ہوئے سنا کہ حافظ جی ہم آپ کے والد محترم کے تو پہلے ہی غلام تھے۔ آپ نے بھی ہمیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنا غلام بنا لیا ہے۔ مظفر علی شمسی نے شاہ جی سے معانقہ کیا اور اس خاندان کی عظمتوں کی داد دی۔ اس طرح یہ جلسہ بخیر و خوبی اپنے انجام کو پہنچا اور کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔

حافظ جی رحمتہ اللہ علیہ جب کسی جلسہ میں جاتے تو میں مختلف مسائل پر چٹیں بھیج کر ان کا موضوع تقریر تبدیل کر دیا کرتا تھا۔ حافظ جی بہت دن تک پریشان رہے کہ یہ چٹیں بھیجنے والا آدمی کون ہے۔ آخر ایک روز انہوں نے مجھے پکڑ لیا اور باتوں باتوں میں میری ایسی مرمت کی کہ طبیعت بحال کر دی۔

میں نے حافظ جی جیسا ایک بھی خاکسار طبیعت کا لیڈر نہیں دیکھا۔ وہ بڑے درویش صفت مگر خوددار انسان تھے۔ وہ مضبوط بنیادوں پر رائے قائم کرتے تھے اور پھر انکی رائے کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا تھا۔ وہ بڑے پختہ ارادے کے مالک تھے۔ طبیعت میں خوف بالکل نہ تھا۔ وہ دوستوں کی بے وفائیوں پر اکثر شاکی رہتے تھے۔ لیکن اپنی تنہائی سے کبھی گھبراتے نہیں تھے ان کے مقاصد اٹل تھے۔ وہ دوستو ں کے دوست اور دشمنوں کے دشمن تھے وہ اپنے ادنیٰ کارکنوں کے ساتھ بہت محبت و شفقت سے پیش آتے تھے۔ سیاست میں غیر شائستہ اور غیر معیاری گفتگو سے پرہیز کرتے تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ مولانا مودودی کے خلاف جمعیت العلماء اسلام کی طرف سے اٹھائی گئی تحریک میں ناشائستہ رویّوں کے سبب وہ ان کے ساتھ نہ چل سکے۔ جبکہ وہ خود مودودی صاحب سے "خلافت و ملوکیت" میں مقامِ صحابہ کو مجروح کرنے کی وجہ سے شدید اور اصولی اختلاف رکھتے تھے۔ مگر شائستگی کے ساتھ۔

انکی طبیعت کی خاکساری کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ میرے گھر پر پیغام بھجوایا کہ میں تمہارے گھر آ رہا ہوں۔ بھوسے کھووہ چنے کی دال اور چاول پکائے۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ حافظ جی تشریف لا رہے ہیں انکی خواہش کا اہتمام کرو۔ میری بیوی عالم استعجاب میں تھی۔ اس نے ایسے لیڈر کہاں دیکھے اور سنے ہونگے جو فرمائش کر کے دال چاول پکوائیں۔ پھر بھی اس نے اپنی طرف سے اس دعوت کو پر تکلف کرنے کی کوشش کی اور کچھ اور چیزیں بھی پکا لیں۔ حافظ جی تشریف لائے اور دال چاول کے علاوہ اور کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا۔ اور فرمایا طبیعت میں کھانے کے معاملہ حرص بالکل نہیں ہے۔

وہ سادہ خوراک کھاتے اور سادہ لباس پہنتے تھے۔ وہ سادگی میں اتنے خوبصورت اور وجیہہ تھے کہ آدمی دیکھتا ہی رہے۔

حافظ جی جب نماز پڑھاتے تو مقتدیوں میں تکبیر کہنے کا حکم مجھے دیتے۔ فرماتے سید زادے تجھے امامت کے مصلے پر ہونا چاہیئے لیکن تم لوگ دنیاداری میں پڑے ہوئے ہو۔ کم از کم تکبیر تو کہو۔

ایک دفعہ میں ان کے ساتھ چنیوٹ میں احرار کانفرنس پر گیا۔ وہاں سے وہ مجھے لے کر فیصل آباد چلے گئے۔ اُن کے بچے ان دنوں فیصل آباد میں تھے۔ معاویہ اور مغیرہ بہت چھوٹے چھوٹے تھے۔ مجھے ان سے ملایا۔ مجھے وہ اپنے بچوں ہی کی طرح تصور کرتے تھے۔ شاید اسی لئے معاویہ اور مغیرہ سے ملانے کے لئے لے گئے۔

ایک دفعہ ہم حافظ جی کے ساتھ دفتر احرار دہلی دروازہ لاہور میں بیٹھے ہوئے تھے کہ معروف شاعر جناب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیف الدین سیف مرحوم تشریف لے آئے۔ بس پھر کیا تھا۔ غزلیات پہ غزلیات، ادھر حافظ جی اور اُدھر سیف صاحب۔ حافظ جی نے اپنے اردو، فارسی، عربی کلام کے علاوہ دوسرے شعراء کا بھی کلام سنایا۔ سیف صاحب بے ساختہ داد دیتے رہے۔ ہم نے اس محفل کا بڑا لطف اٹھایا۔

ایک دفعہ میں اور حافظ جی تانگے پر بیٹھ کر کہیں جا رہے تھے۔ مزار شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ لاہور کے قریب کسی نے پیچھے سے آواز دی۔ حافظ جی نے تانگہ رکوایا اور آواز دینے والے سے بغلگیر ہو گئے۔ میں تانگہ سے اترا تو دیکھا کہ ساغر صدیقی مرحوم تھے۔ حافظ جی نے اپنا پروگرام ملتوی کیا اور ساغر صدیقی مرحوم کو لے کر دفتر احرار آ گئے۔ غزل کی محفل جمی، ساغر نے بڑی دیر تک اپنی غزلیات سنائیں۔ ساغر مرحوم نے کچھ غزلیات اس موقعہ پر حافظ جی کی فرمائش پر لکھ کر بھی دیں۔ وہ یقیناً انکے ریکارڈ میں کہیں نہ کہیں موجود ہونگی۔ (۱)

ایک دفعہ حافظ جی اور میں آغا شورش کاشمیری مرحوم سے ملنے کیلئے دفتر چٹان گئے۔ ان دنوں قادیانیوں کی مصنوعات کے خلاف تحریک ملک میں زوروں پر تھی۔ جب حافظ جی اور میں آغا صاحب کے کمرہ میں داخل ہوئے تو وہاں شیزان کی کچھ بوتلیں خالی پڑی ہوئی تھیں۔ آغا صاحب نے جب حافظ جی کو دیکھا تو ملازم کو آواز دے کر بوتلیں اٹھانے کو کہا۔ آغا صاحب اپنے ملازم پر بہت ناراض ہوئے کہ میرے دفتر میں شیزان کی بوتلیں کون لایا ہے اور کس نے پی ہیں؟ حافظ جی نے مسکرا کر کہا کہ ملازم لایا ہے اور آپ نے پی ہیں۔ آغا صاحب کھسیانے ہو کر خاموش ہو گئے بعد میں پتہ چلا کہ مہمانوں کے آنے پر ملازم بوتلیں کھلوا کر لے آیا تھا جو واپس نہ کی جا سکیں اور مجبوراً پینی پڑیں۔ حافظ جی کو آغا صاحب کا ملازموں پر ناحق ناراض ہونا پسند نہ آیا اس لئے ایک جملہ کہہ کر ان کو خاموش کر دیا۔

ایک دفعہ سیالکوٹ میں احرار کانفرنس پر لاہور سے کارکن ایک بس بھر کر گئے۔ سارے راستہ ہم لوگ نعرہ زنی کرتے گئے۔ جلسہ میں بہت نعرے لگائے جسکی وجہ سے میری آواز بیٹھ گئی۔ جب ہم واپس لاہور آ رہے تھے تو میں نے بس میں جانباز مرزا مرحوم کی ایک نظم "ہم تو جانباز ہیں ہم موت سے لڑ جائینگے۔" انہی کے انداز میں گانا شروع کر دی۔ آواز کے بیٹھنے کی وجہ سے مجھے خود بھی اپنے اوپر جانباز کا گمان ہونے لگا۔ لوگوں نے اس نقل کی مجھے بہت داد دی۔ لاہور پہنچ کر کسی نے حافظ جی کو نقل کا واقعہ سنایا۔ حافظ جی نے مجھے بلایا اور بہت دیر تک جانباز کی نظم انہیں کے انداز میں مجھ سے سنتے رہے اور دل کھول کر داد دیتے رہے۔

ایک دفعہ سرگودھا میں احرار کا جلسہ عام تھا۔ ہم تین آدمی کسی وجہ سے حافظ جی کے ساتھ نہ جا سکے اور بعد میں بذریعہ ریل پہنچے۔ جب ربوہ سٹیشن پر ہماری ٹرین رکی تو میں نے فرط جذبات سے مغلوب ہو کر تاج و تخت ختم نبوت کا نعرہ لگایا۔ میرے ساتھیوں نے اس کا جواب دیا۔ ربوہ سٹیشن پر کھڑے قادیانیوں نے ہمیں گالی گلوچ کیا۔ اسی اثناء میں گاڑی چل پڑی اور ہم بخریت سرگودھا پہنچ گئے۔ ہمارے ایک ساتھی سرور

---

(۱) حضرت ابوذر بخاری رحمہ اللہ ان دنوں پندرہ روزہ "الاحرار" جاری کر چکے تھے۔ یہ ۱۹۷۰ء کی بات ہے۔ ساغر مرحوم نے "الاحرار" کے لئے قطعہ لکھا اور ایک نظم بھی عطا کی جو الاحرار کی ۱۹۷۰ء کی فائل میں شائع ہو چکی ہے (مدیر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے نے یہ واقعہ حافظ جی کو من وعن سنا دیا۔ حافظ جی مجھ پر بہت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے:

"کنویں میں چھلانگ لگانا دانائی نہیں۔ کوئی بھی کام کرنے سے پہلے عقل و شعور کا استعمال کیا کرو۔ محض جذبات نقصان کا باعث ہوتے ہیں۔"

میں نے معذرت کی تو حافظ جی راضی ہو گئے۔ یاد رہے اس زمانے میں قادیانی سرکاری طور پر غیر مسلم اقلیت قرار نہیں دیئے گئے تھے۔

حافظ جی کی فہم و فراست اور سیاسی بصیرت کا یہ عالم تھا کہ وہ بنگلہ دیش کے قیام سے پہلے ڈھاکا کے دورے پر گئے۔ ان کی واپسی پر میں نے ان سے سوال کیا کہ شاہ جی آپ نے مشرقی پاکستان میں کیا دیکھا، اور محسوس کیا؟ فرمایا: "دنیا کی کوئی طاقت مشرقی اور مغربی پاکستان کو متحد نہیں رکھ سکتی۔" وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: "کہ پاکستان کی بیورو کریسی نے جو مظالم وہاں توڑے ہیں اس سے بنگالیوں کے دل میں ہمارے لیئے اتنی نفرت پیدا ہو گئی ہے کہ اب مل بیٹھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" یاد رہے اس زمانے میں جنرل ٹکا خان نے مشرقی پاکستان کے حالات پر قابو پا لیا تھا۔ آخر کار وہی ہوا جو حافظ جی نے فرمایا تھا۔ کچھ وقت ضرور لگا لیکن ملک کے دونوں حصے ہمیشہ کیلئے الگ الگ ہو گئے۔ مجھے یاد ہے حافظ جی نے مشرقی پاکستان میں نوجوان لڑکیوں کی عصمت دری کے واقعات بڑے دکھ اور صدمے سے سنائے تھے۔

حافظ جی کے ساتھ دور دراز اسفار کی وجہ سے دستر خوانوں پر بیٹھنے کا اکثر موقعہ ملا۔ وہ پر تکلف دعوتوں کے شوقین نہیں تھے۔ اگر کہیں پر تکلف دعوتوں میں جانا پڑ جاتا تو خود نہ کھاتے بلکہ ہمیں کھلا کر خوش ہوتے۔ وہ فرماتے تھے کہ ہمیں ہمارے اباجی نے اتنا کھلا دیا ہے کہ اب کھانے کی مزید طمع باقی نہیں رہی۔

اکثر اوقات کھانے کی کمی اور افراد کی زیادتی کی وجہ سے سیر ہو کر بھی نہیں کھاتے تھے۔ بڑے مشقت طبع انسان تھے۔ دن رات تبلیغی دورے، سفر کی تھکان، عدیم الفرصتی، مطالعہ، نیند کی کمی و شب بیداری، دشمنوں کی باتیں اور دوستوں کی گھاتیں ایک جان کب تک برداشت کر سکتی ہے۔ آخر صاحب فراش ہوئے اور ۲۳-۲۴ اکتوبر ۱۹۹۵ء کی درمیانی شب اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

یا بقول سید امین گیلانی کے

بجھی شمع تنویر گم ہو گئی
بخاری کی تصویر گم ہو گی

حافظ جی کی ویسے تو اتنی ہی شناخت کافی تھی کہ وہ ایک ایسے عظیم مقرر و خطیب کے فرزند ارجمند اور جانشین تھے جسکی آواز نے ہندوستان میں درجنوں تحریکوں کو جنم دیا اور سلطنت برطانیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے علم و عمل کی وجہ سے خود بھی ایک عظیم انسان تھے۔ ان جیسے رہنما کا ملنا آسان کام نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ مسلمانوں کے ایک مشہور کالج میں خطاب کیلئے تشریف لے گئے۔ خطاب کے بعد طلباء پند و نصائح کی غرض سے شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ کے گرد جمع ہو گئے۔ حضرت شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ نے ان طلباء کو نماز کی تلقین کی۔ ان طلباء میں سے کسی دہریہ مزاج طالب علم نے شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ سے کہا کہ شاہ جی! نماز ہم اس لیئے نہیں پڑھتے کہ حالت نماز میں نمازی ہمارے جوتے چرا کر لے جاتے ہیں۔ شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ نمازی چور نہیں ہوتے بلکہ چور نمازی کا روپ دھار کر جوتے چرانے مسجدوں کی طرف آتے ہیں۔

اس واقعہ کا سنانے کا مقصد یہ ہے کہ شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ کی طرح ہمارے حافظ جی بھی ان جوتے چور نمازیوں اور نام نہاد ملاؤں کو خوب پہچانتے تھے۔ جنہوں نے مذہبی شخصیات کا روپ دھارن کیا ہوا تھا اور انکی زندگی کا مقصد کچھ اور ہی تھا۔ حافظ ان پارساؤں کو خوب پہچانتے تھے۔ وہ بڑے صاحب نظر اور مردم شناس انسان تھے۔ وہ ایسے لوگوں کو اپنے نزدیک بھی بھٹکنے نہیں دیتے تھے جو جبہ و قبا پہن کر ہزیمت مذہب و ملت کا باعث بنے ہوئے تھے۔

حافظ جی سیدھے اور شفاف عقائد کے انسان تھے۔ وہ بہت بڑی سیاسی شخصیت تھے۔ لیکن انکی سیاست دین سے کٹی ہوئی نہیں تھی۔ وہ فریب اور دھوکہ کی اساس پر سیاست کے کھلے باغی تھے۔ شاید اسی لیئے ہمارے دور کے چند نام نہاد علماء حق نے بزعم خویش انہیں قید تنہائی کی سزا دے رکھی تھی۔ مجھے یاد ہے جب صدر یحییٰ خان کے دور اقتدار میں پیپلز پارٹی، نیشنل عوامی پارٹی اور جمعیت علماء اسلام کے درمیان اتحاد ثلاثہ ہوا تو اس زمانہ میں مرحوم ذوالفقار علی بھٹو کا ایک نمائندہ وفد ہمارے حافظ جی کے پاس دفتر مجلس احرار اسلام لاہور میں گفت و شنید کیلئے آیا تھا۔ اس وفد کے دامن میں ایک حمایت کے بدلہ حافظ جی کو دینے کے لئے بہت کچھ تھا مگر ہمارے حافظ جی بندہ حرص و آز نہیں تھے۔ وہ بڑے اصول کے آدمی تھے۔ مذاکرات ناکام ہوئے اور اس وفد کو مایوس لوٹنا پڑا۔ حافظ جی جھکنے اور بکنے والے انسان نہیں تھے۔ وہ دنیا کے مفادات کو اپنے جوتے کی ٹھوکر پر رکھتے تھے۔ انہیں اپنی غربت و افلاس پر ناز تھا۔ وہ دولت دنیا کے عوض ضمیر کا سودا کرنا نہیں جانتے تھے۔

مجلس احرار اسلام لاہور کے ایک سرگرم کارکن محمد سرور نے مجھے خود سنایا کہ اسی اتحاد ثلاثہ کے ایام کے دوران جمعیت علماء اسلام کے ایک بڑے سرکردہ لیڈر نے حضرت حافظ جی سے ملاقات کی اور سیاسی طور پر تعاون کی درخواست کی۔ آپ کو یاد ہوگا کہ اس زمانہ میں پیپلز پارٹی، نیشنل عوامی پارٹی اور جمعیت علماء اسلام ایک طرف اور دوسری جانب جماعت اسلامی اور انکی ملحقہ جماعتیں تھیں ان دونوں دھڑوں کے درمیان بڑی سخت محاذ آرائی تھی۔ جماعت اسلامی کو سیاسی طور پر نیچا دکھانے کے لیئے اسٹیجوں پر مولانا مودودی کے مذہبی عقائد کو زیر بحث لایا گیا لیکن اس سے زیادہ انکی ذاتی اور عائلی زندگی پر کیچڑ اچھالا گیا۔ حافظ جی اپنے افکار و نظریات کی بنیاد پر مولانا مودودی کے سخت مخالف تھے۔ لیکن وہ مولانا کی ذاتی و عائلی زندگی پر کیچڑ اچھالنے کے حق میں نہیں تھے۔ جمعیت علماء اسلام کے پلیٹ فارم سے مولانا مودودی کی مخالفت علمی بنیادوں پر نہیں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جا رہی تھی۔ حافظ جی یہ چاہتے تھے کہ مولانا مودودی کے نظریات کا رد علمی بنیادوں پر ہونا چاہیئے۔ بنا بریں حافظ جی اور جمعیت کے رہنما کے درمیان اتفاق رائے نہ ہو سکا۔ ازاں بعد حافظ جی کو اس جرم کی پاداش میں سیاسی طور پر تنہا کر دیا گیا۔ اس زمانہ میں وہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

دیکھا جو تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف
ابا کے دوستوں سے ملاقات ہو گئی

یہ اسی زمانہ کی بات ہے کہ چودھری غلام جیلانی امیر جماعت اسلامی لاہور حافظ جی سے ملاقات کیلئے مجلس احرار اسلام لاہور کے دفتر میں تشریف لائے۔ چودھری صاحب سیاسی اتحاد کیلئے آئے تھے۔ جبکہ نظریاتی بعد نے دونوں کو اکٹھا نہ ہونے دیا۔ کافی دیر بحث و تمحیث ہوئی لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ آخر چودھری صاحب کو ناکام لوٹنا پڑا۔

اقبال نے فرمایا تھا:

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

ہمارے حافظ جی کی ذات مبارک اس شعر کی عملی تفسیر تھی۔ وہ بڑے اعتماد اور دلیری سے اپنا چراغ اکیلے ہی جلاتے رہے۔ ان کی جماعت کے شعبہ تبلیغ تحفظ نبوت پر غاصبانہ قبضہ کیا گیا اور وہ بیچارے کچھ نہ کر پائے۔ کوشش بسیار کے باوجود امانت داروں نے مجلس احرار کا حق حقداروں کو دینے سے انکار کر دیا۔ اس کے پس پردہ بھی انہیں یکہ و تنہا کرنے کی سیاست کارفرما تھی۔ ہمارے دور کے چنندنام نہاد علماء حق نے حافظ جی کے خلاف اتنا زہریلا پروپگینڈہ کیا کہ شرم کو بھی شرم آگئی۔ دوسری طرف ہم لوگ جو حافظ جی کے بہت نزدیک تھے، حافظ جی سے خلوت و جلوت میں ایک ایسا لفظ بھی ان علماء کے لئے نہ سنا جسے غیر معیاری یا ذوق سلیم پر گراں گزرنے والا سمجھا جائے۔ میں بعض اوقات سوچتا ہوں کہ حافظ جی کا صبر کب بجلی بن کر ان پر ٹوٹے گا۔ ایک نیک نہاد اور پاکباز سچے عالم دین کی تضحیک و تذلیل کب رنگ لائے گی۔ ان دین کے سوداگروں اور مذہب فروشوں کا اصلی چہرہ عوام کب دیکھ سکیں گے؟ میں حیران ہوتا ہوں کہ حافظ جی ایسی ایسی کڑی مصیبتوں سے گزرے اور مرد آہن کی طرح انکے پائے استقامت میں لرزش تک نہ آئی۔

حافظ جی تقسیم ہند سے قبل مجلس احرار اسلام کی پالیسیوں پر مکمل یقین و اتفاق رکھنے کے باوجود ایک سچے اور محب وطن پاکستانی تھے۔ انکے نزدیک اکابر احرار کی پاکستان کے بارے میں تمام ترپیش گوئیاں حرف بہ حرف درست ثابت ہو چکی تھیں اس کے باوجود وہ کبھی یہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی پاکستان کا اندرونی یا بیرونی دشمن اس ملک خداداد کو کوئی گزند پہنچائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مشرقی پاکستان میں انتشار و افتراق کے زمانہ میں انہوں نے اظہار یکجہتی کیلئے مشرقی پاکستان کا دورہ کیا اور ہر لمحہ اس کوشش میں سر گرداں نظر آئے کہ ملک کے دونوں حصے علیحدہ نہ ہو پائیں اسی سلسلہ میں انہوں نے معروف مشرقی پاکستانی لیڈر مولوی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرید احمد کو دفتر مجلس احرار اسلام میں آنے کی دعوت دی۔ مجھے یاد ہے کہ مولوی فرید احمد نے دفتر مجلس احرار میں ایک ایسی پرسوز تقریر فرمائی کہ تمام سامعین دوران تقریر انکے ہر ہر لفظ پر روتے رہے۔ حافظ جی نے مولوی فرید احمد شہید کو پاکستان بچانے کے سلسلہ میں اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا۔ دونوں بزرگوں کے درمیان کافی دیر تک مذاکرات ہوئے۔ لیکن افسوس کہ واپسی پر مشرقی پاکستان میں مولوی فرید احمد کو شہید کر دیا گیا اور مشرقی پاکستان دنیا کے نقشہ میں بنگلہ دیش کے نام سے وجود میں آگیا۔

اسی زمانہ میں انتخابات کے نتیجہ میں سردار عبدالقیوم خان صدر آزاد کشمیر منتخب ہوئے۔ مجلس احرار اسلام لاہور کی دعوت پر سردار صاحب دفتر احرار تشریف لائے۔ حافظ جی نے نفاذ اسلام کے سلسلہ میں ایک جامع اور مدلل تقریر فرمائی اور سردار صاحب کو انکی ذمہ داری کا احساس دلایا۔ سردار صاحب نے حافظ جی کو لاہور کے ایک معروف ہوٹل میں ملاقات کی دعوت دی۔ دوسرے روز ان دونوں اکابر کے درمیان ملاقات ہوئی حافظ جی کے چہرے کی طمانیت و بشاشت سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آزاد کشمیر کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر شاید بہت جلد نفاذ شریعت ہو جائے گا۔ لیکن تا حال اس سلسلہ میں کوئی قابل ذکر اقدام نہیں کیا گیا۔

حافظ جی جب تبلیغی مقاصد کیلئے تقریر فرماتے تو سامعین کی قلت و کثرت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ "میری ایک تقریر سے اگر چند بھٹکے ہوئے آدمی بھی راستہ پر آجائیں تو میرا مقصد کامیاب ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں وہ سفر میں ہوں یا حضر میں، دوران خانہ ہوں یا برسر مجلس تبلیغ کا کوئی دقیقہ ضائع نہیں ہونے دیتے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ تحقیق سے پتہ چلا کہ وہ شعر جو حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہیں دراصل ایک ایرانی رافضی شاعر مُلّا معین کاشانی کے ہیں۔ وہ اشعار کچھ یوں تھے

شاہ است حسین پادشاہ است حسین
دین است حسین دیں پناہ است حسین
سرداد نہ داد دست دردست یزید
حقا کہ بنائے لاالہ است حسین

اس رباعی کے جواب میں انہوں نے بھی چند اشعار کہے دیکھئے کس طرح عقیدے کا تحفظ کیا گیا۔

شاہ ست غنی بادشاہ ست غنی
سرداد نہ داد دست در دست یہود

بر فلک عدل مہر و ماہ ست غنی   شاہ ست غنی بادشاہ ست غنی
چوں جامع مصحفِ الٰہ ست غنی   دین است غنی دیں پناہ ست غنی
ہم زلف علی و خالوئے حسین   فردوس دل و خلد نگاہ ست غنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صدیق و عمر بھر دیں سقف و عماد باب است علی شہر پناہ ست غنی

سرداد نہ داد دست در دست یہود

حقا! کہ نشانِ لاالہ ست غنی

ایک دفعہ میں جماعت کے کسی کام سے سیالکوٹ گیا۔ سیالکوٹ شہر میں جگہ جگہ ایک پوسٹر لگا ہوا تھا جس پر جلی حروف میں لکھا ہوا تھا۔

"قائد اعظم نے فرمایا۔ قادیانی مسلمان ہیں"

میں قائد پاکستان محمد علی جناح کی طرف منسوب کئے گئے اس بیان سے خاصا پریشان ہوا۔ لاہور آنے پر حافظ جی سے اس پوسٹر کا تذکرہ کیا۔ حافظ جی نے فرمایا کہ قائد پاکستان ایک سیاسی شخصیت تھے۔ دین کے بارے میں انکی معلومات نہ ہونے کے برابر تھیں۔ اوّل تو قائد پاکستان نے ایسا کوئی جملہ سرے سے کہا ہی نہیں ہوگا۔ اور اگر کہہ بھی دیا تو یہ انکی ذاتی رائے ہے جسے شریعت و اجماع امت کی حمایت حاصل نہیں۔ اس سلسلہ میں قرآن و احادیث اور اجماع امت سند ہیں انکی ذاتی رائے نہیں۔ یہ انتخابی حربے ہیں جن سے کم از کم احرار رضاکاروں کو متاثر نہیں ہونا چاہیئے۔

صوبہ سندھ میں آباد ایک خاتون نے عدالت میں تنسیخ نکاح کا مقدمہ اس بنیاد پر داخل کیا کہ اسکے والد نے اس کا نکاح اسکی بغیر مرضی کے ایک قادیانی سے کر دیا تھا۔ جبکہ وہ خاتون سنی مسلمان تھیں اس مقدمہ نے بڑی شہرت حاصل کی۔ اخبارات اسکی عدالتی کارروائی بڑے اہتمام سے شائع کرتے تھے۔ مدعا علیہ کے وکیل نے چند تکنیکی بنیادوں پر عدالتی اختیارات کو چیلنج کر دیا جس کے نتیجہ میں عدالت کو مرزا غلام احمد قادیانی کے جھوٹے دعوئ نبوت کا سارا کچا چھٹا کھولنا پڑا۔ اس تمام کارروائی میں مدعیہ کے وکیل اور عدلیہ کو مرزا غلام احمد قادیانی کو کافر ثابت کرنے کیلئے کافی مواد درکار تھا۔ اس سلسلہ میں تمام مذہبی جماعتوں نے کافی گرموشی دکھائی اور عدالت کو ضروری مواد فراہم کیا۔ مجلس احرار اسلام نے یہ فریضہ بڑی ذمہ داری سے پورا کیا۔ نتیجتاً عدالت نے فیصلہ پر مبنی ایک ضخیم کتاب لکھی اور اس خاتون کو طلاق ہو گئی۔ یہ فیصلہ بعد میں مجلس احرار اسلام نے کتابی شکل میں شائع کیا۔ جن دنوں یہ مقدمہ چل رہا تھا۔ حافظ جی کا قادیانیوں کے خلاف جوش و غضب دیدنی تھا۔ فیصلہ ہو جانے کے بعد حافظ جی جسٹس محمد رفیق گورایہ سے ملنے متعلقہ علاقہ میں گئے۔ حافظ جی فرماتے تھے کہ دبلا پتلا آدمی جو بظاہر انگریزی قانون پر قدرت رکھتا ہے دین کی کتنی بڑی خدمت کر گیا۔ قیامت کے روز اس کی بخشش کیلئے یہ فیصلہ ہی کافی و شافی ہوگا۔

حافظ جی نے ایک دفعہ سنایا کہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کسی شہر میں ایک مجذوب رہتا تھا جو ہمیشہ ایک مصرعہ پڑھا کرتا تھا وہ مصرعہ یوں تھا۔

وسعت دل ہے بہت وسعت صحرا کم ہے

شہر کے لوگوں نے اس مجذوب سے بہت دفعہ اصرار کیا کہ وہ اس کا دوسرا مصرعہ بھی پڑھے لیکن وہ مجذوب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرا مصرعہ پڑھنے سے ہمیشہ انکار کرتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ میں جس دن دوسرا مصرعہ پڑھوں گا میری موت واقع ہو جائے گی۔ ایک دفعہ لوگوں نے اس مجذوب کو گھیر لیا اور دوسرا مصرعہ سنانے کی ضد کی۔ اس مجذوب نے مجبور ہو کر دوسرا مصرعہ پڑھ دیا اور گر کر مر گیا۔ مکمل شعر یوں تھا

وسعت دل ہے بہت وسعت صحرا کم ہے
اس لیئے مجھ کو تڑپنے کی تمنا کم ہے

موچی دروازہ لاہور میں تقریر کرتے ہوئے حافظ جی نے فرمایا: "کہ برسہا برس بیت گئے لیکن ہماری حکومتیں وزیر اعظم پاکستان لیاقت علی خان کے قاتلوں کو گرفتار نہ کر سکیں۔" پھر جلال میں آ کر فرمایا: "کہ یہ مقدمہ میرے سپرد کر دو میں اڑتالیس گھنٹے کے اندر قاتلین اور اس سازش میں ملوث پورا گروہ حکومت کے سپرد کر دوں گا۔" پھر حکومت کو مخاطب کر کے فرمایا: "کہ لیاقت علی خان کے قاتلوں سے تم ناواقف نہیں ہو۔ اور ان سے بے خبر ہم بھی نہیں ہیں۔ تمہاری مصلحتیں تمہارے آڑے آ رہی ہیں اور ہماری بے بسی کچھ کر گزرنے سے قاصر ہے۔" یاد رہے حافظ جی نے قاتلین کے سلسلہ میں چند نام بھی گنوائے تھے۔

ہمارے حافظ جی دشمنوں کے اشاروں اور کنایوں کو بھی بھانپ لیتے تھے۔ مشہور ترقی پسند شاعر احمد فراز کی غزل

اب کہ ہم بچھڑے تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں

جب گلوکار مہدی حسن نے گائی تو زبان زد عام ہو گئی۔ اسی غزل کا ایک مصرعہ یوں تھا

"تو خدا ہے نہ مرا عشق فرشتوں جیسا"

جب حافظ جی نے یہ مصرعہ سنا تو ردّ دہریت کیلئے جواب غزل لکھا۔ انکے جواب لکھنے کی وجہ سے فراز کا خبث باطن جو محض کنایوں میں تھا کھل کر سامنے آ گیا۔ اور ہر آدمی جاننے لگا کہ فراز کا یہ مصرعہ تردید اُلوہیت میں تھا۔ یہ حافظ جی ہی تھے جو اتنی باریک باریک شیطانیوں کو بھی اپنے خداداد فہم و ادراک کی وجہ سے بھانپ لیا کرتے تھے۔

حافظ جی بہت زیادہ سنجیدہ طبیعت کے آدمی نہیں تھے۔ وہ لطائف و ظرائف سے محفلوں کو کشت زعفران بنا دیا کرتے تھے۔ وہ مزاح کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے اور لطائف سے بہت لطف اندوز ہوتے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا:

جناب مسعود صادق سابق وزیر خزانہ پاکستان کے والد امرتسر کے رؤساء میں سے تھے۔ ایک دفعہ کسی کام سے جا رہے تھے۔ تو راستہ میں گاڑی بند ہو گئی۔ انہوں نے ڈرائیور سے پوچھا۔

"گاڑی کیوں رک گئی ہے؟"

جواب ملا

"جناب پیٹرول ختم ہو گیا ہے"۔

وہ شاید کسی بہت ضروری کام سے جا رہے تھے انہوں نے ڈرائیور کے جواب پر غور کیئے بغیر غصے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جھنجھلاہٹ میں ڈرائیور کو حکم دیا کہ گاڑی واپس گھر کی طرف لے چلو۔

ازیں قسم لطائف و ظرائف حافظ جی بڑے ذوق و شوق سے سنتے اور سناتے تھے۔ جس سے محفل میں خوشگوار ماحول پیدا ہو جاتا تھا۔

انہوں نے بہت کچھ کہا اور دیکھا لیکن ہماری بدقسمت قوم حسب روایت کوئی استفادہ نہ کر سکی۔ بلکہ اس قوم نے ان جیسے بزرگوں کو ایذا رسانی کا سلسلہ قائم رکھا۔ بہت سارے لوگوں نے ان کو سنا بڑے غور سے اور داد کلام بھی دی لیکن عملاً ساتھ نہ دیا۔ یہ شکوہ تو امیر شریعت کو بھی اس قوم سے تھا کہ یہ قوم تقریریں انکی سنتی ہے لیکن ووٹ مسلم لیگ کو دیتی ہے۔ پھر حضرت امیر شریعت کیا اس خاندان کے آباؤ اجداد کے ساتھ یہی ہوتا آیا ہے اور شاید قیامت تک یہی ہوتا رہے گا۔

روتے ہیں بہت حادثۂ کرب و بلا پر
وہ حشر اگر اب ہو بپا ساتھ نہ دیں گے

بس ایک بات سے دل کو انتہائی سکون ملتا ہے کہ حافظ جی نے اپنی تمام تر زندگی عالم درویشی میں اور تبلیغ اسلام میں گزاری اور اپنے دامن کو دنیاوی آلائشوں سے داغدار نہ کیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ولیوں کی زندگی جیئے اور ذکر الٰہی میں مصروف اس دار فانی سے عالم حقیقی کی طرف روانہ ہوئے۔

موت ایک اٹل حقیقت ہے۔ ہر ذی روح کو اس عمل سے گزرنا ہے۔ مبارک ہے ان لوگوں کی زندگی جو جہاد حق میں گزری اور مبارک ہے ان لوگوں کی موت جو تفریق حق و باطل کرنے کے بعد آئی۔ جانثارانِ صحابہ، سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمتہ اللہ علیہ کو کبھی فراموش نہیں کر سکیں گے۔

ازواج و اصحاب رسول علیہم السلام
معیارِ حق ہیں

ارشاد باری تعالیٰ:

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْاۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

[پ ۱، ع ۱۱، س ۲۔ اَلْبَقَرَة۔ ع ۱۶]

"اے اصحاب رسول۔! اگر یہود و نصاریٰ تمہاری طرح ایمان لے آئیں تو وہ یقیناً ہدایت پا جائیں گے۔! اور اگر وہ منہ موڑ جائیں تو پھر وہی ضد پر ہیں۔ سو لئے نبی آپ کی طرف سے ان کو اللہ کافی ہے اور وہی ہے سننے والا اور جاننے والا۔!"

© rasailojaraid.com